

ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے

رجسٹرڈ ایڈمنسٹریٹر

مجلس مرکز حزب الانصار بھیرہ و ادارہ عالیہ محمدیہ کا ترجمان

ماہنامہ

شمس الاسلام

بھیرہ

جلد ۱۵ بھیرہ (پنجاب) رجب المرجب ۱۳۶۳ھ مطابق جولائی ۱۹۴۲ء نمبر

ماہ رجب میں

زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے وقت دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ اور حزب الانصار کے دیگر دینی اداروں کو فراموش نہ فرمائیں۔ دارالعلوم میں مفلس اور یتیم بچوں کی مکمل تربیت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کا بہترین مصرف موجودہ دور میں طالبان علوم و دینیہ ہی ہو سکتے ہیں۔
ناظم حزب الانصار و مہتمم دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ (پنجاب)

سرخ پیل کا نشان

یہاں ان حضرات کے پرچہ پر سرخ پیل کا نشان لگایا گیا ہے جنکے چنندہ کی میعاد اس پرچہ کے ساتھ ختم ہو چکی ہے ان حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ آئندہ سال کا چنندہ بذریعہ منی آرڈر جلد روانہ فرمائیں، اگر خدا نخواستہ کسی وجہ سے آئندہ خریداری کا ارادہ نہ ہو تو بذریعہ پوسٹ کارڈ ہمیں پہلی فرصت میں مطلع کریں۔ خاموشی کی صورت میں آئندہ کا پرچہ بذریعہ وی پی اے سال خدمت ہوگا جس کا وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (صلیح)

(باہتمام غلام حسین میخرا ڈیڑھ پڑ پبلشر مندریس سرگوداسہ چھپک بھیرہ پنجاب) سے شائع ہوا

شذرات

(از مولانا سید سیاح الدین صاحب کاکاخیل - رکن ۱۱ اس ۸)

دہلی میں مرزا بیوں کا جلسہ اور سواکن کا مئی دولت

کرنے کے لئے تمام قادیانی مبلغین و مناظرین کے دماغ تاویلین اور ”تقدیر کلام“ تلاش کرنے لگ جاتے ہیں۔ بہار کے زلزلہ، کوئٹہ کے زلزلہ، اناطولیہ کے زلزلہ غرض تاقیام قیامت دنیا بھر کے کسی گوشہ میں ہونے والے تمام زلزلوں کے لئے بنی بنائی گھڑی گھڑائی ”سینٹ پیشین گوئی“ پچاس الماریوں میں محفوظ پڑی ہوئی ہے۔ جب ضرورت پڑے نکال کر اپنا کام چلایا جاتا ہے۔ جلی حروف اور جلی عنوانات سے اشتہار دیا جاتا ہے۔ کہ ”سلسلہ کی صداقت کا تازہ ثبوت“ وغیرہ وغیرہ۔

اور کبھی کبھی ”خلیفۃ المسیح“ صاحب کو خود بھی ”چند دن پہلے“ ہونے والے الہام کے ظاہر کرنے اور ان کی ”بعد از ظہور“ اشاعت کا موقع مل جاتا ہے، اور نیز اطراف و اکناف سے مرزا بیوں کی طرف سے عالم رویا میں ایسے واقعات کے ظہور پذیر ہونے کی خبریں شائع ہونے لگتی ہیں۔

اب ایک اور واقعہ الیاد پریش ہوا ہے۔ جو مرزا بیوں کی دولت و رسوائی، ناکامی و خسران، کی صورت میں نشانی اور ان کی باطل پرستی اور گمراہی کے لئے ایک قطعی ثبوت ہے، لیکن اس پر بھی ”مرزا محمود“ کہتے ہیں کہ ہم خوش ہیں ہم کامیاب ہو گئے ہیں، جیت ہماری ہوئی ہے“ واقعہ کیا ہوا؟ گذشتہ دنوں میں دہلی جا کر مرزا محمود نے ایک جلسہ منعقد کیا اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور حضرت خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے نکال کر ”غلام احمد“ کے فریب میں مبتلا کرنے کے لئے تبلیغ

مرزاجی اور ان کا خلیفہ ثانی مرزا محمود اور ان کی ساری امت عجیب طرح کے واقعے ہوئے ہیں۔ مرزا صاحب اپنی پیشین گوئیوں کو خواہ مخواہ سچا ثابت کرنے کے لئے کس قدر تاویلات و دُور انداز کار تشریحات اور دروغ بافیوں سے کام لیا کرتے تھے۔ مبہم و مہمل الہام ہو جاتا اور پھر دنیا کے کسی نہ کسی واقعہ پر اس کو چسپاں کرنے کی کوشش کر کے زمین و آسمان کے قلابے ملاتے اور کہتے کہ ”دیکھو یہ بھی میری صداقت کی نشانی ہے“ مرزاجی کے ایسے عجائبات و معجزات کی فہرست بہت طویل ہے۔ لیکن اب ان کا ”حالشین ثانی“ فرزند ارجمند، مرزا محمود بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر وہی طرز و طریق اختیار کر رہا ہے۔ دنیا میں حوادثات تو ہوا ہی کرتے ہیں۔ کہیں زلزلہ، کہیں قحط، کہیں جنگ و جدال، کہیں غرق و حرق، لیکن جب دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی واقعہ ہو جاتا ہے تو مرزا محمود ”بارگاہ عالی“ اور ”مسند ارشاد و خلافت“ سے جھٹ اعلان ہو جاتا ہے ع

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ مرزاجی کی تصنیفات کی ”پچاس الماریوں“ کو جلدی سے کھول کر کوئی سی کتاب نکال لیتے ہیں اور کسی ورق کی کوئی مہمل عبارت، بے جوڑ جملہ، اور ”المعنی فی لطن الشاعر“ قسم کا کوئی مصرعہ اور مجذوب کی بڑے تلاش کر کے اعلان کیا جاتا ہے کہ ”دیکھو حضرت مسیح موعود، یہ فرما گئے ہیں۔۔۔۔۔ اس مہمل عبارت کو با معنی اور واقعہ کے مطابق

و ناکامی کو خوشی کا واقعہ اسی لئے قرار دیا جا رہا ہے کہ اس واقعہ سے ۳ سال قبل کی پیشین گوئی پوری ہوئی ہے۔

واقعہ دیکھو! اخبارات اور خود مرزا محمود کی زبان اس کی روئے دس نو، مرزا میوں کی ذلت و ناکامی ملاحظہ ہو۔ اور پھر ۳ سال قبل کی یہ پیشین گوئی:-

”رویا میں دیکھا کہ دہلی گئے ہیں اور خیریت واپس آئے ہیں۔ پھر اہام آباد لفظ زبان پر جاری ہوئے الحمد للہ الذی وصلنی

صحیحاً“ (تذکرہ ص ۳۳) ٹرکیٹ خطبہ محمود ص ۱) مرزا کے اس ”رویا“ اور اہام“ اور موجودہ واقعہ دہلی میں کچھ مناسبت ہی نہیں سوائے دہلی کے لفظ کے اور کوئی بھی لفظ ایسا نہیں کہ جو موجودہ واقعہ کے کسی جز پر بھی دلالت کر سکے، مگر ”مرزا محمود“ یہاں بھی اپنا کمال فن نہ دکھلائے تو پھر باپ کا بیٹا کیسے بن سکے گا؟ اور صحیح جانشینی کا حق اس کو کہا حاصل ہوگا۔ اگر مرزا جی کی خرافات کے لئے محل و دلول تلاش کرنے میں مرزا محمود کوتاہ دست ثابت ہو جائے تو بیجا می پانٹی اور ”محمد علی پانٹی“ چین و آرام سے کرسی پر کب بیٹھے دیں گے اس لئے اس تطبیق کے لئے اور مرزا کی لغو عبارت سے ”مطلب“ نکالنے کے لئے مرزا محمود نے تہیہ کر لیا تو پھر ”مطلب“ میں اشکال کیا تھا۔ لکھتا ہے:-

”اس اہام کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف لے ہی نہیں گئے، آخری سفر جو آپ نے دہلی کی طرف کیا وہ ۱۲۵۰ھ عکاء سو یہ ایک پیشین گوئی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ کا مثیل دہلی جائے گا لوگ اس پر پھراؤ کریں گے، یہ جو سنگباری کی گئی یہ دراصل مجھ پر تھی جسے خدا تعالیٰ نے حضرت

کے حال پھیلا دیئے، دہلی کے باغیرت مسلمانوں نے ”ختم نبوت کی توہین“ برداشت کرنا گوارا نہ کیا۔ دہلی کی مقدس سرزمین پر اس کفر براج کی علی الاعلان تبلیغ درود دل رکھنے والوں سے برداشت نہ ہو سکی۔ اور انہوں نے جذبات سے مجبور ہو کر کوشش کی کہ یہ جلسہ ہی نہ ہونے پائے۔ اور دہلی کی فضا کی ہوائی لہروں میں ضلالت کی یہ آوازیں پھیلنے ہی نہ پائیں۔ چنانچہ ان کا یہ احتجاج کامیاب رہا اور ”مرزا محمود“ اور اس کے حواریوں کو بعد ذلت و رسوائی ناکام و نامراد ہو کر جلسہ بند کرنا پڑا۔ اور بقول مرزا غالب

بہت بے اہر ہو کر ترسے کوچے سے ہم نکلے

بے آبروئی اور رسوائی کے ساتھ مرزا محمود ”دہلی“ سے نکل کر قادیان پہنچے۔ واقعہ یقیناً ایسا تھا کہ باجیا شخص کچھ عرصہ تک خاموشی اختیار کرتا لیکن کہاں شرم و جفا اور کہاں مرزا اور اس کی امت۔ پہنچتے ہی مرزا محمود نے خطبہ جمہور ارشاد فرمایا جس میں واقعات دہلی پر ”تبصرہ“ کیا گیا ہے اور اس کو ”نظارت دعوت و تبلیغ“ نے ٹرکیٹ کی صورت میں شائع کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ مرزا محمود یاد دہر مرزا میوں کو یہ حق ہے کہ اپنے دلول کو تسلی دینے کے لئے اور ذلت و رسوائی کے احساس کو کم کرنے کے لئے خوش فہمیاں کرتے رہیں۔ خواہ جھوٹ سے ہو یا بہتان سے اپنے قلوب کو تسکین دیں۔ سمجھا دیں کہ ہم خوش خوش واپس آئے ہیں۔ کامیاب ہو کر آئے ہیں۔ فتحندی کا پھر سیرا لہراتے ہوئے آئے ہیں، تمام دنیا ہمارے صفت بلہ میں شکست کھا گئی۔ فتح و ظفر کا سہرا ہمارے سروں پر باندھا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ تو بے انصافی ہے، ناجائز ہے کہ جھوٹ بول کر دنیا کو بھی یہ باور کرایا جائے کہ ہم خوش اور کامیاب ہیں۔ یہ لوگوں کی آنکھوں میں کیوں دھول ڈالی جا رہی ہے، دنیا کیا اندھی ہے؟ اور زیادہ تعجب کی بات یہ ہے۔ کہ اپنی اس رسوائی

”الحمد للہ الذی اوصلنی صحیحاً“ مرزا جی نے اپنا جو واقعہ بیان کیا تھا۔ سچ، ۳ سال بعد مرزا محمود اس کو اپنے اوپر منطبق کر کے اس کو اپنی صداقت اور مثیل ہونے کی نشانی تیار دے رہا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مرزائی دھرم کا سارا قلعہ اس طرح حیرت کے ٹیلوں بلکہ ہوائی بنیادوں پر قائم ہے اس قسم کی پیشین گوئیوں سے اپنی صداقت، نبوت، مسیحیت اور ماموریت ثابت کر کے دنیا کو گمراہی کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور اپنی تباہی و رسوائی میں بھی ان کو اپنی صداقت کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔

..... ظاہر ہے دنیا کے

مختلف حصص میں زلزلے ہوا کرتے ہیں۔ یہاں بھیرہ کا واقعہ ہے ایک دفعہ زلزلہ آیا۔ ایک مرزائی کا سہ منزلہ مکان بھی شدت کے ساتھ ہل رہا تھا۔ عالم بدحواسی میں مرزائی ہچکار رہا تھا ”اب تو مانو۔ اب تو مرزا جی کو مانو“ حالانکہ وہ خود بھی اور اس کا مکان بھی لرز رہا تھا۔ خوف و ہراس اس پر طاری تھا۔ لیکن پھر بھی یہ اس کو مرزا جی کی صداقت کی نشانی اور مرزا جی کی پیشین گوئی قرار دے رہا تھا۔

مرزا محمود قادیان سے دہلی گئے اور وہاں پر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے مقابلہ میں مرزا کی نبوت اور اپنی خلافت کا سکہ جمانا چاہتے تھے۔ مسلمانوں کے عزیز از جان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء و اولیاء کی شان اقدس میں گستاخوں کا سلسلہ جاری کیا جاتا تھا۔ مومنوں کے نازک احساسات کو چھیڑا جا رہا تھا۔ ایسے موقع پر اگر چند نوجوانوں نے جذبات سے بے قابو ہو کر جلسہ کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ اور اس سلسلہ میں ان کی طرف سے کچھ غیر منظم ہنگامہ آرائی ہوئی، تو اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر نہیں۔ بلکہ مرزا محمود اور دوسرے مرزائیوں پر ہے جنہوں نے دہلی میں جلسہ کر کے ان کو مشتعل کیا۔ علی الاعلان ختم نبوت کی توہین کر کے پھر بھی مسلمانوں سے ”گلی پاشیوں“ اور

مسیح موعود کی سند پر بٹھا یا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ آپ کو یعنی آپ کے منظر کو صحیح و سالم واپس قادیان لے آئے گا۔ پس جو کچھ ہوا۔ اس میں اس لحاظ سے بھی ہمارا فتح اور کامیابی ہے سلسلہ کی صداقت کا ایک ثبوت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مامورین اللہ اور خدا تعالیٰ کا پیارا ہونے کا ایک ثبوت ہے۔ ہر پتھر جو وہ لوگ ہم پر مار رہے تھے وہ الحمد للہ الذی اوصلنی صحیحاً کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا، اور ہر پتھر شاہد تھا

اس امر کا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے انحراف (ٹریکٹ)

مرزا محمود نے ”پنیاسیوں“ کو بھی پنیام دیا ہے۔ کہ اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ مرزا جی کا سچا جانشین اور اس ”گدی“ کا حقیقی حق دار میں ہی ہوں کیونکہ میں اس کا مثیل ثابت ہوا جو دہلی گیا اور ”بخیر و سلامت“ مسیح“ واپس ہوا آیا۔

مرزا جی اپنے زمانہ میں ایک دفعہ مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے دہلی گئے تھے وہاں مناظرہ کی طاقت نہ ہوئی۔ اور لحد ذلت و رسوائی، حکومت کی نگہبانی میں پاؤں سر پر رکھ کر جھاک آئے تھے اور انہوں نے دہلی سے اس فرار کو اس وقت غنیمت سمجھا۔ مرزا جی نے اگر واقعہ عالم رؤیا میں دیکھا ہو کہ ”دہلی گئے“ ہیں اور بخیریت واپس آئے ہیں، تو غالباً دہلی کا وہ جانا اوروں کی ذلت و بدنامی اخون دہراس اور پھر بخیریت زندہ بھاگ کر قادیان میں دم لینے کا اثر دماغ پر اس قدر پڑا ہو کہ ثواب میں بھی وہ سارا نقشہ نظر آنے لگا ہو۔ اور پھر جامع مسجد دہلی اور اس کی سیڑھیوں پر اپنی بڑی حالت اور حام لعنت و ملامت کی آوازوں اور مسلمانوں کے ارادوں کا تصور کر کے جی جو گھبرا یا ہو اور پھر اپنے کو قادیان میں مسیح پایا ہو تو بے اختیار منہ سے نکلا ہو گا

کہ اب ان کی تمام چالاکیاں اور چال بازیوں سے دنیا واقف ہو چکی ہے۔ اور اب لوگ مکرو فریب کے ان پھندوں میں گرفتار ہو کر شکا رہ نہیں ہو سکتے، یقین رکھیں کہ اس ”شجرہ خبیثہ“ کی شاخیں اب پھولنے پھلنے والی نہیں بلکہ روز بروز اس کی جڑیں خشک ہوتی جائیں گی۔ مثل کلمۃ خبیثۃ کثیرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض ما لها من قرار، اور عنقریب اگلے دہائیوں و کذابین اور ان کی امتوں کی طرح یہ امت بھی فنا کے گھاٹ اتر جائے گی اما الزبد فین ھب جفاء واما ما ینفع الناس فیکث فی الارض کذلک یشرب اللہ الامثال۔

قرآن پاک کے اوراق کی بے حرمتی

تو نہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں سے عبد الرحیم صاحب لکھتے ہیں:-

”کل روز لالہ ڈوگر داس کتب فروش تولہ

شریف نے مدرسہ محمودیہ کے باورچی کو قرآنی ورق

میں پڑھی بند کر کے دی۔ جس وقت باورچی مدرسہ

میں پہنچا۔ تو ایک طالب علم نے وہ پڑھی دیکھ کر

پوچھا کہ یہ کاغذ کہاں سے لایا؟ باورچی نے

دکاندار کا نام بتلادیا۔ طالب علم دکاندار کے

پاس گیا، اور جا کر باقی ماندہ اوراق کا مطالبہ

کرنے لگا۔ لیکن دکاندار نے صاف انکار

کر دیا۔ طالب علم میرے پاس پہنچا۔ اور واقعہ

سنا کر کہنے لگا۔ کہ یہ اوراق کسی طرح لئے جائیں

میں نے جا کر دکاندار کی کافی منت کی۔ جس پر

دکاندار نے چھ آنے لے کر باقی ماندہ اوراق

مجھے دیئے، اور میں نے طالب علم کے حوالے

کر دیئے۔ یہ واقعہ اس غرض سے لکھ کر

ارسال کرتا ہوں تاکہ شمس الاسلام کے ذریعہ

”گہر باریوں“ کی توقع رکھنا اور صبر و سکون سے سننے کی امید رکھنا مرنائیوں کی انتہائی حماقت یا انتہائی شوخ چشی و دیہ و لہری ہے۔ مرزا محمود بار بار لکھتا ہے۔ کہ دہلی والوں نے ہمیں جو مارا اور گالیاں دیں یہ ان کی بد اخلاقی کا ثبوت ہے۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم اہل حق ہیں اس لئے ہمارے ساتھ اہل ہتہزا کیا گیا ہے۔ لیکن قادیان کے ”دارالخلافت“ میں جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے قادیانی بھیڑیوں کی طرف سے غریب اور مسافر مسلمانوں پر جو جو مظالم کئے جاتے ہیں۔ اور سنگتہ میں قادیان کے جلسہ اسلامیہ میں مہمانوں کی جفا و بلا سے تواضع کی گئی خود حال ہی میں مصری پارٹی جن نظام کی شاکی ہے کیا اس کی بنا پر مصری پارٹی کو مرزا محمود اور استبداد قرار دے سکتے ہیں؟ اور اگر مرنائیوں کے ہاں یہ اصول مسلم ہے کہ جس کسی کے ساتھ استہزاء کیا جائے جس کا انکار کیا جائے وہی جرح اور نبی ہوتے ہیں اور ہر قسم کے منکرین پر آیت و مایا تہم من رسول اللہ کا نوابہ لیس تھن و ن منطبق ہوتی ہے تو پھر قادیان ہی کے نور احمد کابلی کے ساتھ استہزاء اور اس کی ”نبوت“ سے انکار کر کے قادیانی اپنے اصول کی بنا پر بھی کافر و مردود ٹھہرتے ہیں۔

ہم ہرگز پسند نہیں کرتے کہ مذہبی اختلاف کی بنا پر کسی جلسہ پر سنگ باری ہو یا ہلڑ بازی ہو، اگر واقعی دہلی کے بعض افراد نے ایسا کیا تو اس کی ذمہ داری مرناجی پر عائد ہوتی ہے جو نو بین رسالت کے ارتکاب سے مسلمانوں کے صبر و قرار کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔ ان ”چراغ بکف“ ”زد و د“ کی اس ”ولادری“ اور بے حیائی کو کس چیز سے تعبیر کیا جائے۔ شرم محسوس کرنے اور اپنی مکاریوں کو ختم کر دینے کی بجائے اس کو اپنی کامیابی، اور پیشین گوئیوں، فرضی الہاموں، اور خوابوں کی صداقت قرار دینا، اور اس پر باطل کی عمارت کھڑی کر دینا کس قدر جبارت اور شوخ چشی ہے۔ مگر مرزا محمود اور دوسرے مرنائیوں کو معلوم ہونا چاہئے

مسلمانوں کو آمادہ کرو۔ کہ زبردست مطالبہ کیا جائے۔ کہ مذہبی کتب کی طباعت اور خرید و فروخت غیر مسلم اقوام کے ہاتھ قانوناً بند ہو جائے۔

کیا قرآن مجید کے مقدس اوراق کی توہین، اور تسواری، تمنا کو، نمک مرچ پڑیوں میں باندھنے کا صرف یہ ایک ہی واقعہ ہے؟ کروڑوں مسلمانوں کے زندہ ہوتے ہوئے بھی ان کی کتاب مقدس کی دانستہ و نادانستہ بے حرمتی روزانہ کہاں کہاں اور کس کس طریقے سے ہوتی ہوگی۔ مذہبی غیرت رکھنے والے ہر شخص کو اس کا شدید احساس ہونا چاہیے۔ اور اسی احساس کی بناء پر اس سال انصار تبلیغی کا نفرین بھیرہ میں تجویز پیش کی گئی تھی، اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا اور اس تجویز کی پھر پوری تشریح رسالہ شمس الاسلام میں بھی کی گئی اور عام مسلمانوں، صاحب اثر و سرور حضرات سے دردمندانہ اپیل کی گئی تھی، کہ وہ اس طرف ضرور توجہ کر کے حکومت سے کسی طرح یہ مطالبہ منوالیں کہ پنجاب کے اسلامی صوبہ میں تو غیر مسلموں کے لئے قرآن مجید اور دوسری مذہبی کتب کی طباعت و فروخت قانوناً ممنوع ہے۔

لیکن ہائے افسوس! اگر مسلمانوں کے قلوب میں اس کتاب خداوندی کی عظمت و احترام کا صحیح احساس ہوتا تو یہ روز بروز کیوں نصیب ہوتا۔ قانون بنانے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ صاحب ثروت و اقتدار طبقہ نے تو دین کو اور دینی امور کو بالکل پس پشت ڈال دیا ہے۔ ان کو اپنی وزارت، کرسی نشینی اور عہدوں کے حصول و بقا کے مشغلہ سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہے کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں سے قرآن مجید کی حفاظت اور بے حرمتی سے بچاؤ کا کوئی معقول انتظام کریں، باغیرت اور دردمند عام غریب مسلمانوں سے عرض ہے کہ وہ ضرور اس مطالبہ کو نہایت اہم سمجھ کر جبکہ جگہ جگہ منعقد کریں، اور حکومت کے ارباب اختیار کو اپنی آواز پہنچائیں

کہ وہ ضرور اس طرف توجہ کر کے جلد از جلد کوئی ایسا قانون پاس کریں جس سے مستقل طور پر قرآن پاک کے اوراق مقدسہ کی توہین و تحقیر کا یہ سلسلہ رک جائے۔ اور اگر اب سے اس کے لئے کوئی مناسب انتظام نہ کیا گیا اور غیر مسلم تاجر حسب عادت اس میں پڑیہ باندھتے رہے تو خطرہ ہے کہ کہیں اس کو نقصاً توہین اور استقامی کا ردائی سمجھ کر اور جذبات و احساسات سے مجبور ہو کر کسی مقام پر مسلمان بھڑک نہ اٹھیں اور فرقہ وارانہ فساد کا ایک غیر مختتم سلسلہ شروع نہ ہو جائے۔ پس عقل و تدبیر کا تقابہ ہے کہ فتنہ کے مناشی و مناہج کو اول ہی سے بند کر کے سمجھ داری کا ثبوت دیا جائے۔

پنجاب اسمبلی کے مسلمان ممبروں میں سے کسی کو یہ ہمت نہیں ہو سکتی، کہ اس مقصد کے لئے کوئی بل مرتب کر کے اسمبلی میں پیش کر دے؟ نیز ازر وئے قانون قرآن کے اوراق کا تلاوت کے بغیر ایسا استعمال جس سے اس کی توہین ہو ممنوع قرار دیا جائے۔ اس سلسلہ میں بعض بے دین مسلمان تاجران کتب کا رویہ بھی سخت قابل اعتراض ہے۔ لاہور کے نام نہاد اسلامی تاجر کتب نے سینکڑوں قرآن مجید ردی میں فروخت کر دیئے تھے۔ جن کا سراغ گذشتہ سال انجمن صدیقیہ امرتسر کے کارکنوں نے لگایا تھا۔

حقیقت مرزا ایت

مولفہ

مولانا عسلم الدین صاحب

مرزائی دھرم کی تردید میں بہترین کتاب

ہے قیمت ۸ روپے علاوہ محصول۔ ملنے کا پتہ:-

(بیرزادہ) محمد بہاء الحق قاسمی گلوالی گیٹا امرتسر

مولانا سید سلیمان حسام ندوی کا رجوع الی الحق

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی زید مجاہد ہم کی ایک تحریر شمس الاسلام کے گذشتہ پرچم میں شائع ہو چکی ہے بعض دوسرے مسائل کے متعلق رجوع و اعتراف کا اعلان اُن کے موقر جریدہ ”معارف“ سے نقل کر کے اس دفعہ شائع کیا جاتا ہے۔ ائند تبارک و تعالیٰ مولانا ندوی کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اکابر سلف کی پیروی کر کے وضوح حق کے بعد اپنی سابقہ لغزشوں اور خامیوں سے کھلے الفاظ میں رجوع کر دیا۔ حضرت مولانا تھانویؒ کی حکیمانہ تربیت اور توجہ فرمائی کا اثر ہے۔ کہ مولانا ندوی نے نہایت بہترین الفاظ میں مامات کی تلافی کی اور اتباع حق کا بہترین نمونہ قائم کیا۔ جیسا کہ مولانا نے آخر میں فرمایا ہے چاہئے کہ جن لوگوں نے مولانا کی کتابوں کے مطالعہ سے ان مسائل کو غلط طور سے سمجھا ہے وہ اس تصحیح کے بعد اپنی غلطی سے رجوع کریں اور صحیحہ امر کو اختیار کریں۔ (ادارہ)

رجوع اور اعتراف

پر زبان حال یہ صدائے غیب آتی ہے
پہل سال عمر عنایت گذشت
مزاچ تو از حال طفلی نہ گشت

میری پیدائش صفر ۱۳۰۲ھ میں ہوئی اور اب یہ محرم ۱۳۶۲ھ شروع ہو گیا ہے۔ یعنی میری عمر نے زندگی کے ساٹھ مرحلے طے کر لئے۔ میری تحریر کا آغاز ۱۳۵۰ھ سے ہوا ہے اور اب ۱۳۵۳ھ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میری تحریری عمر نے چالیس سال پورے کر لئے۔ جب اس پر نظر جاتی ہے کہ اس ساٹھ سال کی زندگی میں کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں، اور کیسی کیسی لغزشیں پیش آئی ہوں گی۔ تو دل بے اختیار پکار اٹھتا ہے

از کردہ ناصواب یارب توبہ

کتابوں اور مضمونوں کے ہزار ہا صفحات اتنے دنوں میں سیاہ کئے گئے، کہا نہیں جاسکتا کہ کہاں کہاں حق کا ساتھ چھوٹا ہے۔ اور کس باطل کی تائید میں قلم نے لغزش کی ہے۔ جس سے اتباع حق کے بجائے اتباع ہوئی کا ارتکاب ہوا ہو، بندہ ہر حال میں قصور وار ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے اور اس کا علم و عمل کی لغزش کا ہوں سے ٹھیک ٹھیک بچ نکلنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے یہ خاکسار سچیدان علی الاعلان اپنی ان تمام غلطیوں سے جو دائرہ یا نادانستہ حق کے خلاف ہوئی ہوں۔ صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف، اور اپنی ہراس رائے سے جس کی سند کتاب و سنت میں نہ ہو اعلان برأت کرتا ہے، وما توفیقی الا باللہ تعالیٰ۔

تحریری زندگی کے چالیس سال پورے ہو گئے، یاد نہیں کہ ان چالیس برسوں میں قلم نے کیا کیا لکھا، اور کہاں کہاں غلطی کی، اتباع حق کے بجائے اتباع ہوئی کے موقع کہاں کہاں پیش آئے، اور اب بھی موجودہ حالت

کہ صحیح یہی ہے کہ امر اول دستی تصویر کی طرح ناجائز ہے اور امر ثانی کا کھینچنا ناجائز اور کھچانا با مضطر اجائز اور دھڑکا بغیر سر اور چہرے کے دونوں جائز، پوری تفصیل آئندہ لکھی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

زیوروں میں زکوٰۃ کے وجوب اور عدم وجوب کے مسئلہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک اختلاف رہا ہے، روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عدم وجوب کی قائل تھیں، سیرت عائشہ مدیقہ میں ان کے اس مسلک کی تشریح میرے قلم سے کچھ اس انداز میں نکلی ہے۔ جس سے اس مسئلہ میں ان کی اس رائے کی تائید ظاہر ہوتی ہے، چنانچہ ایک صاحب علم نے بڑی خوبی سے اس کا جواب بھی ایک رسالہ میں لکھا ہے، جو شائع ہو چکا ہے، اس لئے اس غلط فہمی کو دور کر دینا ہے، اور کہہ دینا ہے کہ میں زیوروں میں جہور کے فیصلہ کے مطابق زکوٰۃ کے وجوب کا قائل اور اسی پر محمد اللہ عامل ہوں، اور کتاب کے آئندہ اڈیشن میں انشاء اللہ اس کی تصحیح بھی ہو جائے گی۔

یہ باتیں کسی محترض کے خوف سے نہیں بلکہ اللہ کے حضور میں اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے لکھ رہا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ بار الہما۔ مجھے صراط مستقیم پر قائم رکھ اور جب کبھی تقاضائے بشری سے مجھ سے غلطی ہو تو مجھے متنبہ اور معاف فرما، اور مسلمانوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھ۔ اور مجھے راہ صواب دکھا۔ رہنا الہدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ رہنا لا تقاخذنا ان نسينا و اخطانا داعف عنا و اغفر لنا و ارحمنا انت مولانا۔

مذہبی مسائل کی تحقیقات میں میرا یہ عمل رہا ہے، کہ عقائد میں سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک سے علیحدگی نہ ہو، البتہ فقہیات میں کسی ایک مجتہد کی تقلید بتمامہ نہیں ہو سکتی ہے، بلکہ اپنی بساط بھر دلائل کی تنقید کے بعد فقہاء کے کسی ایک مسلک کو ترجیح دی ہے۔ لیکن کبھی کوئی ایسی رائے اختیار نہیں کی۔ جس کی تائید آئمہ حق میں سے کسی ایک نے بھی نہ کی ہو، خصوصیت کے ساتھ مسائل کی تشریح میں حافظ ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیقات پر اکثر اعتماد کیا ہے۔

ایسا بھی دو چار دفعہ ہوا ہے کہ ایک تحقیق کے بعد دوسری تحقیق سامنے آئی ہے اور اپنی غلطی ظاہر ہوئی ہے، تو بعد کے اڈیشن میں اسی کے مطابق تبدیلی کر دی ہے مثلاً معراج بحالت بیداری و بحسب ہونے پر قرآن پاک سے صحیح استدلال مجھے پہلے نہیں مل سکا اور بعد کو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی توفیق سے صحیح دلیل سمجھا دی، تو دوسرے اڈیشن میں اس کو بڑھا کر مقام کی تصحیح کر دی، اسی طرح فنائے نار کے مسئلہ میں پہلے حافظ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی پیروی میں کچھ لکھا گیا۔ بعد کو جہور کی رائے کا اضافہ کر کے دونوں کے دلائل کی تشریح کر دی۔ اب بحمد اللہ کہ اس باب میں جہور ہی کے مسلک کا حق ہونا سمجھ میں آ گیا ہے۔ و ما توفیقی الا باللہ

مسئلہ نصاب کے متعلق میں نے ۱۹۱۷ء میں ایک مضمون لکھا تھا۔ جس میں ذی روح کے نوٹ لینے یعنی عکسی تصویر کشی اور خصوصاً نصف حصہ جسم کے نوٹ کا جواز ظاہر کیا تھا۔ اس سلسلہ میں بعد کو ہندوستان اور مصر کے بعض علماء نے بھی مضامین لکھے ہیں، جن میں سے بعض میرے موافق تھے اور بعض مخالف، لیکن بہر حال اس بحث کے سارے پہلو سامنے آ گئے ہیں، اس لئے سب کو سامنے رکھ کر اب اس سے اتفاق ہے

سے غلط اعتقادات میں مبتلا ہو گئے ہیں وہ بھی ان اعتقادات سے رجوع کریں۔ اور آئندہ صراط مستقیم اور طریقہ سلف صالحین پر رہیں۔

یہ مضمون ”توبہ“ کے عنوان سے اخبار ”زبیدار“ لاہور ۵ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا۔

”الفرقان فی معارف القرآن کے نام سے مذکور

ہوئی میں نے قرآن کریم کے بعض اجزاء کی تفسیر شائع کی تھی۔ ایک جزو کا الگ الگ نام تھا۔ اس تفسیر میں بعض اہل زینہ کے اثر سے

میرے قلم سے ایسے مسائل تحریر میں آ گئے ہیں جو کتاب و سنت اور سلف صالحین کی تصریح کے خلاف ہونے کے سبب محض تفسیر بالرائے

ہیں جو ممنوع ہیں میں ان سب سے اپنی توبہ کا اظہار کرتا ہوں۔ (اور ان تمام مسائل سے رجوع کرتے ہوئے اللہ رب العزت سے

دعا کرتا ہوں کہ وہ میری خطاؤں سے دو گزر فرمائے مجھ کو طریق سلف پر قائم رکھے اور میرا خاتمہ ایمان پر کرے۔ فقط“

رعبدا لہی استاذ التفسیر و ناظم دینیات جامعہ اسلامیہ۔ (تذول بارغ۔ دہلی)

اگر مسلمانوں میں کوئی ایسا ہو جس نے میری وجہ سے ان مسئلوں میں میری رائے اختیار کی ہو، تو اس کی خدمت میں عرض ہے۔ کہ وہ اس میرے رجوع اور تصحیح کے بعد اپنی غلطی سے رجوع کر لے۔ اور صحیح امر اختیار کرے۔ علمائے سلف میں اپنی رائے سے رجوع اور ترجیح اور قول ثانی کا رواج عام رہا ہے۔ یہ انہیں کا اتباع حق ہے۔ والحق احق ان یتبع والمسلم علمائے من یتبع الھدی۔ (منقول از رسالہ ”معارف“ ماہ جنوری ۱۳۵۷ھ)

خواجہ عبداللہ فاروقی کا رجوع مناسب

ہوتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ ساتھ جناب خواجہ عبداللہ صاحب فاضل فی استاذ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی کا وہ ”توبہ نامہ“ بھی شائع کیا جائے، جو انہوں نے اپنی تفسیر ”معارف القرآن“ کے متعلق چند سال ہوئے شائع کیا تھا۔ تاکہ جو لوگ ان کی اس تفسیر کے مطالعہ

خاکساریت شکن لٹریچر

حسب ذیل رسائل خاکساری تحریک کے زہر کے لئے تریاق کا حکم رکھتے ہیں۔ ہم سے متکا کر خاکساریت زدہ حلقوں میں انہیں تقسیم کر کے حق کی قوت کا کرشمہ دیکھیے:-

خاکساری فتنہ	المشرقی علی المشرقی	تبصرہ بر تذکرہ	عیسائیت کے دو پودے
۴-	۳-	۲-	۲-
خیر جاری در رد مذہب خاکساری	مشرقی فتنہ	ضرب کاری بر مذہب خاکساری	
۱-	۱-	۱-	

خاکساری تحریک کیوں قابل قبول نہیں۔ (نوٹ، خرچ ڈاک بذمہ خریدار۔ سٹ کی ترسیل پر ہر خرچ آتا ہے۔ ملنے کا پتہ:- (پیرزادہ) محمد بہاء الحق قاسمی۔ گلوالی دروازہ امرتسر (پنجاب)

چند تاریخی جواہر ریزے

(از مولانا سیلیح الدین صاحب کاکاشیل رکن ادا سرائے)

نصبوا أنفسهم للفقہ و اپنے آپ کو فقہ کی تعلیم کے لئے
حبسوها فی المسجد عن وقف کر رکھا ہے۔ ان میں
طلب الدنیا فاعط کل رجل سے ہر ایک کو جس وقت میرا
منہم ما یتذینا رستیتون یہ خط پنچے بیت المال سے
بھاگلے ماہم علیہ من بیت سو سو دینار دو۔ تاکہ وہ کفا
مال المسلمین حین یأتیک سے بے پرواہ ہو کر اپنی اس
کتابی هذا۔ حالت کو دل جمعی سے قائم
(سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵) رکھ سکیں۔

ان کو علماء کی فراغ خاطر اور جمعیت قلب کا اس
قد خیال تھا کہ ہر ممکن تدبیر سے ان کی ضروریات پورا
کرتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں بہت سے محدثین و فقہاء
کے ساتھ امدادیں کرتے رہے۔

..... - مذہبی تعلیم کی ترویج و اشاعت
کا طریقہ ہی یہی ہے۔ کہ اس سلسلہ میں خاص اہتمام اور پوری
توجہ سے کام لیا جائے۔ اور ”اہل علم“ کو صرف ”مدارس و
مساجد“ میں تدریس و تعلیم کے لئے بٹھانے کا حکم نہ ہو۔
بلکہ ان کی ضروریات زندگی کے مصارف پورا کرنے اور جمعیت
خاطر کا بھی مناسب انتظام ہونا چاہئے۔ جب فقہ کی تسلیم
کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنے والوں کو صدر اول اور خیر
القرون میں اس حالت کے قائم رکھنے کے لئے سو سو دینار
کی ضرورت تھی۔ تو اس چودھویں صدی میں کیوں ”اہل فقہ“
کو فرشتوں کی طرح ضروریات خورد و نوش اور لوازمات
زندگی سے مستغنی سمجھا جا رہے؟

تعلیم مذہبی کی اشاعت - احادیث کی تدوین
و ترتیب کے بعد
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے علوم دینیہ کی ترویج
و اشاعت کی طرف توجہ کی۔ اور قاضی ابوبکر بن حزم کو
فرمان لکھا :-

ولیفشوا العلم و عیلسوا لوگوں کو چاہئے کہ عام طور پر
حتی یعلم من لا یعلم علم کی اشاعت کریں، اور
فان العلم لا یهلك تعلیم کے لئے حلقہ مدرس میں
حتی یکون سرًا بطیعیں، تاکہ جو لوگ نہیں
جانتے وہ جان لیں۔ کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں
ہوتا۔ جب تک کہ وہ راز نہ بن جائے۔
ایک اور عامل کے نام تحریر کیا :-

اما بعد فأمر اہل علم کو حکم دو۔ کہ اپنی
العلم ان ینشوا العلم مسجدوں میں علم کی اشاعت
فی مساجدہم فان کریں۔ کیونکہ آج کل سنت
السنة کانت قد امتیت مڑ رہی ہے۔
(سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵)

صرف یہ نہیں کہ اہل علم کو امر کیا جائے کہ مسجدوں میں
بیٹھ کر درس دیں، اور ان کی خبر گیری کوئی نہ ہو۔ بلکہ جہاں
علم مسجدوں میں اس مقدس کام کے لئے بیٹھ گئے۔ ان کو فک
معاش اور ضروریات زندگی سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ چنانچہ
حمص میں جو علماء تھے۔ ان کی نسبت وہاں کے گورنر کو لکھا
انظر الی القوم الذین جن لوگوں نے دنیا چھوڑ کر

مگر اس مرد خدا نے ان مشکلات کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور اپنی نظام حکومت اُسی بنیاد پر قائم کیا جس پر عہد خلافت راشدہ میں قائم ہو چکا تھا۔ اسی بنیاد پر بعض محدثین نے ان کو اسی سلسلہ کی ایک کڑی خیال کیا ہے، چنانچہ امام سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ خلفاء پانچ ہیں ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؓ (ابوداؤد کتاب السنۃ)

آج کل بہت سے ”ہمدردانِ دین“ اپنی مذہبیت کا ثبوت دینے کے لئے علماء پر برس پڑتے ہیں۔ کہ علماء اہل سنت ہیں۔ مذہبی تعلیم کی عام اشاعت مفت نہیں کرتے وغیرہ وغیرہ۔ مگر افسوس! بیشمار العلم فی مساجد ہم کی صدائیں تو نور سے اُٹھ جاتی ہیں مگر اعطاکل سر جبل منهم مائة دینار کھنے کی تو کیا دینار واحد کھنے کی بھی جرأت کسی میں نہیں۔

خلفائے راشدین کے دور خلافت میں سب سے زیادہ روشن زمانہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سیاسی منزل میں قدم رکھا۔ تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے نقش قدم کو چراغِ راہ بنایا۔ چنانچہ اس کے متعلق سالم بن عبداللہ کو ایک خط لکھا۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

وقد رأیت ان اسیر فی میں چاہتا ہوں کہ رعایا کے الناس بسیرۃ عمر بن معالی میں حضرت عمر الخطاب رضی اللہ عنہ بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان قضی اللہ ذلک واستطعت کی روشنی اختیار کروں الیہ سبیلًا فابعث الیٰ بشرطیکہ یہ خدا کو منظور ہو بکتب عمر وقضائک فی اور میں اس پر تیار ہو جاؤں اهل القبلة واهل العهد آپ میرے پاس حضرت فاتنی متبع اثرۃ وسائر بسیرۃ عمر رضی اللہ عنہ کی تحریریں ان شاء اللہ تعالیٰ اور ان کے فیصلے جو انہوں نے (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۲) مسلمانوں اور ذمیوں کے متعلق کئے ہیں بھیج دیجئے۔ اگر خدا کو منظور ہوگا۔ تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کو اپنے زمانہ میں فضا کے ناسزگار ہونے کی وجہ سے سنت فاروقی کے موافق نظام خلافت چلانے میں مشکلات کا سامنا ہوا۔

حقیقت میں خلفائے راشدین کا زمانہ خلافت اور ان میں سے پھر خاص کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا دور ایک ایسا دور گزرا ہے کہ جس کسی کو تا قیام قیامت اس زمین پر حکومت الہی قائم کرنے کا ارادہ ہوگا اس کو خواہ خواہ اسی نقشہ پر کام کرنا ہوگا، اور اس کو ضرور یہ بانگِ دہل یہی اعلان کرنا ہوگا۔ اسی فی الناس بسیرۃ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ اور اتی متبع اثرۃ وسائر بسیرۃ، اور جو کوئی برسرِ عام اس اعلان کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل کر نظام حکومت قائم کرنا چاہتا ہوں“ اور پھر وہ حکومت الہیہ کے قیام کے لئے سعی و کوشش کرنے کا دعویدار ہو۔ تو سمجھ لیجئے کہ اس کے قول میں صریح تناقض ہے۔ اگر کسی کو واقعی حکومت الہیہ اور نظام خداوندی جاری کرنے کا خیال ہو۔ تو موجودہ فضا کی ناسازگاری اور ماحول کے مشکلات کے باوجود انہیں بنیادوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت کی پیروی بہر حال لازمی ہے

را، ایک بار اسلامی عدل و انصاف - مسلمان بن عبد الملک

بن مروان (خاندان شاہی کے فرد) اور دیر آسمان کے چند ذی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے دربار میں فریق مقدمہ کی حیثیت سے آئے۔ تو مسلمان کو فرشتے پر بیٹھ گئے اور ذمی بچارے کھڑے رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے دیکھا

ذلیل کر خواہ عزت دے، ہارون الرشید متاثر ہوا، محمد امین اور عبداللہ المامون دونوں شہزادوں کو لے کر مجلس درس میں حاضر ہوا۔ وہاں طلبہ کا عام ہجوم تھا۔ رشید نے کہا ”اس بھیکڑ کو الگ کر دیجئے“ امام صاحب نے فرمایا ”فحش فائدہ کے لئے عام افادہ کا خون ہمیں کیا جاسکتا“ ہارون الرشید مسند پر بیٹھ گیا۔ امام نے فرمایا ”امیر المؤمنین تواضع پسندیدہ ہے“ ہارون نیچے اتر گیا۔ (حیات امام مالک ص ۳۴)

یہ ہے علم و علماء کی شان استغناء و خود داری اکابر نے علم کی عزت یوں باقی رکھی۔ اور ہارون عباسی خلیفہ کے سامنے اس کو ”ذلیل“ اور بے قدر نہ ہونے دیا۔ کیا بے نظیر جملہ ہے نہ شخصی فائدہ کے لئے عام افادہ کا خون نہیں کیا جاسکتا“ اسی کا اثر تھا کہ ہارون الرشید باصدمت و شرکت امام مالک کی مجلس درس میں خود حاضر ہوا۔ شہزادوں کو شاگردوں کی صف میں لا کر بٹھایا۔ مسند نشینی کو چھوڑ کر میچے عوام کی جماعت میں خود بھی بیٹھ گیا۔ حکومت علم کے دروازے پر آئی۔ امیری، فقری کے سامنے جھک گئی۔ درحقیقت ایسے علم و عمل والے گداہی ہوتے ہیں۔ جو کہ ناز بر فلک و حکم بر ستار کنند

بادشاہ کی نیت کا اثر رعایا کی اموال پر

”الترغیب والترہیب“ اور بہیقی کی کتاب شعب الایمان کے حوالہ سے علامہ دمیری ”حیۃ الخیوان میں نقل کرتے ہیں کہ :-

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بادشاہ اپنی مملکت میں سیر و سیاحت کی غرض سے خفیہ لباس میں اپنے شہر سے نکلا۔ جا کر ایک شخص کے ہاں مہمان ہوا۔ رات کو اس شخص کی گائے چراگاہ سے

تو بولے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اگر تمہیں اپنے فریق کے برابر کھڑا ہونا گوارا نہیں ہے۔ تو کسی کو وکیل کر دو۔ مسلمہ نے ایک شخص کو وکیل کر دیا۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مقدمہ کو ان کے خلاف فیصلہ کیا (سیرت عمر ص ۱۷۷)

(۲) اسی طرح جب ہشام بن عبدالملک (خاندان شاہی کا فرد جو بعد میں خلیفہ بھی ہوا ہے) پر ایک عیسائی نے مقدمہ دائر کیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کو اپنے فریق کے برابر کھڑا کیا۔ ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی۔ (رسائل شمسی ج ۱۰ العیون والحدائق ص ۱۷۷)

شریعت اسلامی کے عدل و انصاف اور رعایا کے درمیان مساوات کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے۔ حکومت الہیہ کے نظام میں غیر مسلموں - ذمیوں - اور زیر دستوں کے ساتھ یہی منصفانہ اور عادلانہ برتاؤ ہی ان کے قلوب کو مسخر کرتا تھا۔ اور وہ دل سے چاہتے کہ اسی حکومت کا یہ قانون نافذ رہے۔ اسی قانون ہی کی ماتحتی میں ان کی جان و مال آبرو و عزت کی حفاظت ہوتی تھی۔ اب بھی اگر صحیح معنوں میں اسلامی حکومت یعنی الہی نظام قائم ہو جائے۔ تو تمام بنی نوع انسان کو امن و چین کی زندگی نصیب ہو سکتی ہے۔ کاش! بھولا ہوا انسان اپنی بھلائی کی خاطر اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے لئے پھر حد و جد شروع کرے۔

حکومت علم کے دروازے پر

الرشید، امین اور مامون اپنے دونوں شہزادوں کو لیکر حج کے لئے آیا۔ ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کو موٹا کی املا کے لئے خود اپنے دربار میں طلب کیا۔ امام صاحب نے بہ دستور انکار کیا۔ اور خود موٹا کے بغیر تشریف لائے۔ رشید نے شکایت کی۔ حضرت امام صاحب نے فرمایا۔ ہارون الرشید؟ علم تیرے گھر سے نکلا ہے۔ خواہ اس کو

ایسی حالت پر رہوں گا جو بہتوں اور مفید
حالت ہو (جلد اول ص ۲۶۵)

یہ صرف افسانہ نہیں حقیقت ہے۔ راغی ملک کی
بدنیتی، غریب رعایا، اور ناوار باشندگان ملک کی ٹوٹ
کھسوٹ اور بہ لطائف الجیل بھوکوں کی روٹی پھیننے کے
بد ارادے تمام ذرائع پیداوار دولت میں بے برکتی پیدا
کرتے ہیں۔ جب محکوموں کی لہلہاتی ہوئی کھیتوں کو دیکھ کر
حاکم یہ سوچنے اور تدبیریں کرنے لگتا ہے کہ خواہ ان بچاروں
کے بچے فاقوں میں۔ لیکن اس پیداوار سے میں اپنے سٹور
اور گودام بھر دوں گا۔ تو ان سبزہ زاروں پر نحوست چھا
جاتی ہے۔ برکت کا فور ہو جاتی ہے۔ اور آفات ارضی و سماوی
سے فصلیں تمام تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ حاکم سے مطالبہ ہوتا
ہے۔ بار بار ہوتا ہے اور شدت سے ہوتا ہے۔ کہ میں تمہارا
والی، راغی، سکار، اور جان دمال کا محافظ ہوں۔ کرو کچھ میری
شکم سیری کے لئے سامان، اور میری جورج البقر کے لئے میری
مناسب شان انتظام۔ جس محکوم کو اپنے پیٹ کے لئے نان
جویں بیسر نہ ہو سکا ہو۔ بدن کے لئے کارٹھ کے کپڑے مہیا
نہ ہوئے ہوں۔ بچے اس کے سامنے بھوکے پیاسے تڑپتے ہوں
بھلا وہ کہاں سے اپنے آقا کے لئے پلاؤ مہیا کرے یا کیک
پیٹری کے لئے گندم اور مکھن دستیاب کر کے اس کی
تواضع کرے، وہاں سے شدید مطالبہ اور یہاں بے بسی
اور بے چارگی کی وجہ سے انکار۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے، بد امنی
پریشان حالی، فسادات، گڑبڑ، افراتفری، جس کسی
بادشاہ کو منظور یہ ہو کہ ملک با امن رہے۔ با برکت رہے
خوشحال رہے، فضا پرسکون ہو، وہ اپنے ارادوں کو
بدل دے، عدل و انصاف سے کام لے، اور رعایا کو خوش
رکھنے کی کوشش کرے۔

دھوکہ دہی اثر دہا کی شکل میں۔ علامہ ذمیری
حیوة الجیلان

واپس آئی تو اس شخص نے اس سے تیس
گایوں کی مقدار میں دودھ دوہ لیا۔ بادشاہ
کو بہت تعجب ہوا۔ اور دل میں یہ ارادہ ہو گیا
کہ یہ گائے میں اس سے چھین لوں گا۔ کل
کو جب پھر وہ گائے چراگاہ چلی گئی اور شام
کو واپس آئی تو دو ہتے وقت آج اس کا
دودھ کل سے نصف حاصل ہوا۔ بادشاہ نے
اس کے مالک سے پوچھا کہ وجہ کیا ہے کہ آج
کا دودھ کل سے نصف ہے۔ کیا آج گائے
اُس چراگاہ میں سے چر کر نہیں آئی۔ جہاں کل
چرنے گئی تھی؟ مالک نے جواب دیا۔ جبکہ تو
مالک وہی ہے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ آج
ہمارے ملک کے بادشاہ نے شاید اپنی رعایا
کے کسی شخص کے ساتھ ظلم کرنے کا ارادہ کیا ہے
اس لئے اس بدنیتی کے اثر سے یہاں ہماری
گائے کا دودھ گھٹ گیا۔ اس لئے کہ یہ قاعدہ
ہے کہ بادشاہ جب ظلم کرتا ہے یا ظلم کرنے
کا ارادہ کرتا ہے تو سارے ملک سے برکت
چلی جاتی ہے (ابن عباس فرماتے ہیں) کہ
بادشاہ نے دل میں بچہ ارادہ کر لیا، اور
اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ نہ اس گائے کو چھینوں
گا نہ اور کسی پر ظلم کروں گا، (فرماتے ہیں) کہ
دوسرے روز جب وہی گائے چراگاہ سے واپس
آئی اور اس کا دودھ وہ لیا گیا۔ تو اسی مقدار
پر نکلا جس قدر کہ روز اول نکلا تھا۔ بادشاہ
نے اس واقعہ سے عبرت حاصل کی۔ اور کہا کہ
واقعی بادشاہ جب ظلم کرتا یا ظلم کا ارادہ
کر لے تو برکت چلی جاتی ہے۔ میں آئندہ
ضرور عدل و انصاف سے کام لوں گا۔ اور

میں بیہوشی کی کتاب شعب الایمان سے نقل فرماتے ہیں:-

”عبدالحمید بن محمود کہتا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ او کہنے لگا کہ ہم کچھ لوگ حج کے لئے آئے ہیں جب ہم مقام صفاح میں پہنچے تو ہمارے ایک ساتھی کی وفات ہو گئی۔ جب ہم نے اس کے لئے قبر کھودی تو اس میں ایک عظیم الشان اثر ڈال دیکھا کہ اس نے تمام لحد کو گھیر لیا ہے ہم نے اس کو چھوڑ کر دوسری قبر کھدوائی۔ وہاں بھی یہ دیکھا کہ ایک بہت بڑے اثر ڈالنے ساری لحد کو گھیر لیا ہے۔ اس کو چھوڑ کر ہم نے اس کے لئے تیسری قبر کھودی وہاں بھی یہی معاملہ ہوا کہ بہت بڑا اثر سخت کالا سانپ لحد میں موجود ہے۔ اب ہم حیران ہو گئے، اس کو وہیں چھوڑ کر اب آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں کہ اس بارے میں آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ یہ اثر ڈالنا نہیں بلکہ یہ اس کا عمل ہے جو دنیا کی زندگی میں وہ کر رہا تھا۔ اب اثر ڈال کی شکل میں متمثل ہو کر قبر میں پہنچ گیا ہے۔ چلو اس کو ان قبروں میں سے ایک قبر میں دفن کرو۔ اللہ کی قسم تم زمین میں جہاں کہیں اس کے لئے قبر کھودو گے یہی سانپ ہی نکلیں گے (وہ شخص کہتا ہے) ہم نے اس مروے کو ایک قبر میں ڈال کر دفن کر دیا۔ جب ہم سفر سے واپس وطن چلے آئے ہم نے اس کی بیوی سے جا کر اس کے متعلق پوچھا کہ وہ کون سا ناجائز عمل

کیا کرتا تھا۔ کہنے لگی کہ میرا خداوند علہ فروخت کرنے کا کام کرتا تھا

۱

خرید و فروخت میں، صنعت و حرفت میں اور دیگر معاملات میں دھوکہ دینا۔ خدع و فریب سے کام لینا بدترین جرم ہے۔ انسانیت کے خلاف اخلاق کے لئے بد نما داغ، اور شرعیت مظہرہ کے نزدیک سخت ترین گناہ جو تمام بد اخلاقیوں، تمام معصیتوں، خلاف شرع امور کی سزا کا ملنا یقینی ہے، دنیا دار الجزاء نہیں دار العمل ہے۔ یہاں اگر فوراً کسی کی گرفت نہ ہو جائے تو وہ اس پر مغرور نہ ہو، بلکہ اس کو ڈھیل جا رہی ہے۔ دار آخرت دار الجزاء ہے، تمام سیاہ و سپید، نیک و بد، اور اچھے برے کا قطعی فیصلہ وہاں ہوگا۔ برول کو سزا، اور اچھوں کو ثواب دہاں ملے گا لیکن قبر بھی اول منزل من منازل الآخرة، آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، اس دار الجزاء کے جانے والے رستہ پر سوال و جواب کی پہلی چوکی ہے۔ اس ملک کو جانے والوں کو اس پہلی سرحد پر نکیر و منکر دو چکیداروں پہرہ داروں کو سامنے ہو کر جواب دینا ہے۔ جنت کے باغوں میں ایک باغ ہے اس کے لئے ایمان کا شرف کیٹ چاہئے۔ دوزخ کا گڑھا ہے اس بد نیت کے لئے جو ایمان اور عمل صالح کی سند سے خالی رہا۔ دار الجزاء کی اس پہلی منزل میں دھوکہ دہی کی معصیت اور فریب کاری کا گناہ اگر اثر ڈال کی صورت میں ڈسنے کے لئے پہلے سے موجود ہو تو اس میں تعجب کی بات؟ ہو سکنے والی ایک بات ہے اور روایت کہتی ہے کہ ہو گئی ہے۔ پھر انکار کرنے کی آخر وجہ کیا۔ جو قادر و توانا خداوند تعالیٰ جن جنگلوں میں، غاروں میں، ہزاروں سانپ پیدا کرتا ہے اس میں تعجب کی کون سی بات ہے کہ لے اس جگہ کا مسودہ تلف ہو گیا ہے

نہیں۔ نڈاس کی کرنی چاہئے۔ کہ اپنے اعمال کا محاسبہ کریں۔ برے اعمال، برے اخلاق سے اپنے نفوس کا تزکیہ کریں، گزشتہ اعمال پر توبہ و ندامت اور آئندہ کے لئے احتیاط و تقویٰ کا عزم بالمحبزم۔

وہ خدا عبرت گیروں کی آنکھیں کھولنے کے لئے، ڈرنے والے دلوں کی تڑپ کے لئے، کسی کی بدعملی کو اس کی قبر میں اڑدہے کی شکل میں متحمل کر دے۔ تاکہ زندہ اور غافل انسان اپنی آنکھوں میں شاہدہ کر کے عبرت پذیر ہوں۔ غرض روایت دیکھ کر دودھ کی ضرورت

ہندوستان میں اسلام کی کشتی وطنیت کی چٹان

(ادارہ)
(گزشتہ سے پیوستہ)

اس تحریک کے چلانے کا مسئلہ پیش ہوا اور یہ سوال پیش آیا کہ اس تحریک کا آغاز تو اپنے ”اتحادی“ کانگریس کی مخالفت کی ہے۔ تو اس وقت حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مظلہ اپنی جلالی شان میں آئے اور فرمایا کہ ہم کانگریس میں اس لئے داخل ہیں کہ ہم آزادی حاصل کر کے مذہب کو غیر دلوں سے آزاد کرائیں اور اگر آج کچھ اختیار ملنے پر کانگریس وزارت ہمیں مذہبی حکم سے روکتی ہے تو اس کی مخالفت بھی میرا فرض ہے، ”آپ نے اس موقع پر اس سلسلہ میں جو تقریر فرمائی وہ اس قدر موثر اور بلند تھی کہ سب ارکان کو بلا تامل ماننا پڑا۔ اور آپ نے ساری تحریک خود چلائی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مظلہ اعلیٰ کی ذات ایسی ہے کہ علمائے کرام کی جماعت میں سب سے اول درجہ پر وہ اس اجنبی اقتدار کے مخالف اور ان کے استیصال کی خاطر کانگریس میں داخل ہیں۔ اور اسی سلسلہ میں آج بھی وہ مرد مجاہد اور شیر بنیہ حریت جیل کے سلاخوں میں بند اور تمام علمی دنیا ان کے فیض سے محروم

ہندوستان کی سیاسی تحریک کی تاریخ میں ایسے سینکڑوں واقعات ہیں، کہ جمعیت علماء ہند نے ایسے مواقع پیش آنے پر مذہب کی خدمت اور اسلامی روایات کی بقاء کے لئے قربانیاں کی ہیں، اور ہندوؤں کو اپنا مذہبی قصبہ و تعصب اور ”مذہبی دیوانہ“ ہونا محسوس کرایا ہے۔ چند سال ہوئے۔ لکھنؤ میں مدح صحابہ کی بندش کانگریس وزارت کے زمانہ میں ہوئی، اس کے خلاف ایچی ٹیشن کرنا گویا کانگریس سے بغاوت تھی، ہائی کمانڈ کے حکم سے سر تابی تھی، اس موقع پر مسلم لیگ نے اپنے چند شیعہ ممبروں کی خاطر مدح صحابہ کی ممانعت کو گوارا کیا، اور اس کی مخالفت میں اس کی طرف سے ایچی ٹیشن کیا ہوتی معمولی آواز بھی بلند نہ ہوئی، لیکن جمعیت علماء ہند کے ارکان نے کانگریس وزارت، کانگریس ہائی کمانڈ، اور کسی کانگریسی ممبر کی پرواہ نہ کی، اور اس خالص مذہبی خدمت کے لئے میدان میں نکلی، سول نافرمانی کی۔ کانگریسی وزارت میں ان کو ہتھکڑیاں لگائی گئیں، جمعیت العلماء کے اجلاس پہلی مارچ ۱۹۳۱ء میں جب

ہے، ”متحدہ قومیت“ کے متعلق ان کا جو نظریہ ہے اور جو انہوں نے اس لئے قبول کیا ہے کہ شرعاً وہ جائز بلکہ موجودہ حالات میں ضروری ہے۔ انہوں نے ایک رسالہ ”متحدہ قومیت اور اسلام“ میں مفصل بیان فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں اسلام کی رواداری اور اس کی وسعت اور لچک کے صحیح معنی بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں :-

”یہی معنی اس کی لچک کے ہیں۔ ہاں لچک بمعنی کمزوری یا باطل اور ناجائز اخلاق و اعمال کو معمول پر قرار دینے کے یقیناً صحیح نہیں ہے“ ص ۷۷
حضرت مولانا مظلہ العالی کے ہاں جائز ”متحدہ قومیت“ کا معنی یہ ہے :-

ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے۔ جس کی بناء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ میں ڈالی تھی، یعنی ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں۔ بحیثیت ہندوستانی اور متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں اور اس پر دیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے۔ جنگ کر کے اپنے حقوق کو حاصل کریں۔ ہر ایک دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے۔ بلکہ تمام ہندوستان کی بسنے والی قومیں اپنے مذہبی اعتقادات، اخلاق، اعمال میں آزاد رہیں، اپنے مذہبی رسم و طبع مذہبی اعمال و اخلاق آزادی کے ساتھ عمل میں لائیں، اور جہاں تک ان کا مذہب اجازت دیتا ہو۔ امن و امان قائم رکھتے ہوئے اپنی اپنی نشر و اشاعت بھی کرتے رہیں، اپنے اپنے پرسنل لاء، کلچر (تہذیب) کو محفوظ

رکھیں“ ص ۷۸

”جملہ اقوام مشترکہ متحدہ اپنے اپنے مذہب اور دین میں آزاد رہ کر فروریات جنگ اور معاشیات وغیرہ میں ایک قوم ہوگی۔“ ص ۷۹
”دین اور دنیا کا تحفظ ان کے لئے صرف برطانیہ سے آزادی ہی میں ہو سکتا ہے۔ بغیر اس کے اور کوئی صورت ہرگز نہیں۔ متحدہ قومیت سے غرض ہی اشتراک عمل ہے۔ وہ مفہوم ہرگز نہیں۔ جس کو ہمارے مخالف حضرات سمجھ رہے ہیں۔ کہ مذہب اسلام کو چھوڑ کر کسی ایسے نظام کے ماتحت آجائیں جو کہ لادینی اور دہریت کا مراد ہو“ ص ۸۰

سیاسی مسائل میں انہماک اور غیر مسلموں سے اشتراک کی وجہ سے لادینی اور مذہب سے بے پرواہی کے خطرہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

”یہ اسی وقت میں ہو سکتا ہے جبکہ مذہب کے تحفظ کا خیال اور مذہبی عزائم کی بھنگی نہ ہو وہ بہر حال ضروری اور لازمی ہے“ (ص ۸۱)
”خلاصہ یہ کہ مسلمان ہندوستان میں رہ کر اور یہاں کے غیر مسلم اقوام کے ساتھ ایک قوم ہندوستانی بن کر مسلمان بھی رہ سکتے ہیں، اور اپنے مذہب، کلچر، پرسنل لاء، زبان، حقوق کے محافظ بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے تحفظ کے لئے ہر قسم کی تدابیر بھی عمل میں لاسکتے ہیں، اور ان سب امور کے ساتھ ساتھ تمام عالم اسلامی کے ساتھ (خواہ وہ افغانستان کے باشندے ہوں یا ایران عراق الجزائر اسلامی تعلقات قائم کر سکتے ہیں، اور حسب ہدایت اسلامیہ تمام فرائض یکجا ملکت و اتحاد دینی

میں بھی ہم کو مذہب کے تحفظ کا خیال اور مذہبی عزائم میں بچہ بچگی ضروری اور لازمی ہے۔ اور اپنے حقوق مذہبی کے تحفظ کے لئے تمام تدابیر کو عمل میں لانا بھی ساتھ ساتھ ضروری ہے۔ اور یہ نہیں کہ حضرت مولانا مدظلہ نے ہی عام لیڈروں کی طرح ایک بیان لکھ دیا ہے یا تقریر کر دی ہے۔ بلکہ حضرت کی مذہبی زندگی، تقویٰ، طہارت، پاکیزگی، شعائر و شایعات کی پابندی، اور نشست و برخاست، گفتار و رفتار تک میں سنت نبوی کی پابندی ہے، وہ صرف ایک عالم نہیں بلکہ ولی اللہ ہیں، اور ایک ایسی علمی عملی روحانی طاقت کے مالک ہیں کہ شاید ہندوستان میں اب ان کا کوئی ثانی نہیں۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ ان کے سیاسی دشمن اور سخت ترین مخالف بھی طوعاً و کرہاً مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس چیز کا اعتراف کریں،

اس تفصیل سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ علامہ کرام کے کمال ”متحدہ قومیت“ کا مفہوم کیا ہے۔ اور اصل میں یہی تعلیم حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز کی تھی، جس پر آج جانشین شیخ الہند اور جمعیت العلماء کے دوسرے ارکان کاربند ہیں، اور اس نظریہ کے ناسوا کسی دوسری قسم کی ”متحدہ قومیت“ کو وہ بھی ناجائز اور شرعاً قابل اعتناء سمجھ رہے ہیں، حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقہ نے جامعہ ملیہ دہلی کے افتتاح کے وقت علی گڑھ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس میں فرماتے ہیں :-

”ضرورت اس کی ہے، کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اور اختیار کے اثر سے کلینہ آزاد ہو کیا، بہ اعتبار عقائد و خیالات کے (۲) اور کیا بہ اعتبار اخلاق و اعمال کے اور (۳) کیا بہ اعتبار اوضاع و اطوار کے ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں“

اس خطبہ تاسیس کے آخر میں حضرت شیخ الہند نے

ادا کر سکتے ہیں۔ ان میں آپس میں بغاوت ہے ہی نہیں“ ص ۵۸

”الغرض ہمارے سامنے دو مسئلے درپیش ہیں، ایک ذاتی اور دائمی مسئلہ ہے۔ اور دوسرا عارضی اور خصوصی، پہلا مسئلہ نجات عامہ کا ہے جس میں عالم بشری کو خداوند بزرگ کے عذاب دائم اور اس کے غضب سے رستگاری، اور خلاصی دلانا اس کی روحانی آلودگیوں، اور کشافوں کو دور کرنا، اور ہر دو عالم کی حقیقی ترقیوں کو حاصل کرنا، اور حیات ابدی اور فلاح سرمدی پر فائز ہونا مقصود ہے۔ یہی نصب العین اسلام اور اس کے مقدس بانی کا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مذہب کے عالمگیر قوانین ہمیشہ سے تمام عالم اسلامی میں کارفرما ہیں اور رہنے چاہئیں ان میں کوتاہی اور ادنیٰ درجہ کی تقصیر نہ صرف مسلمانوں کو ضرر رسان ہے بلکہ تمام عالم بشری کو نقصان پہنچانے والی ہے۔ دوسرا مسئلہ ہندوستان اور اس کے باشندوں کی موجودہ مصائب سے نجات کا ہے۔ یہ مسئلہ عارضی اور خصوصی ہے۔ اور صرف اس زمانہ تک ہے جب تک تمام باشندگان ملک حلقہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔“ (الحجۃ ۱۳۸۷ھ)

حضرت مولانا مدنی مدظلہ کے ان اقوال سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اصل چیز مذہب ہے۔ اور ہمارا ذاتی اور دائمی نصب العین اسلام کی سر بلندی ہے۔ صرف ہندوستان میں موجودہ حالات ایسے ہیں کہ عارضی اور خصوصی طور پر ہم غیروں کے ساتھ اشتراک عمل اور اجنبی اقتدار کی مخالفت میں ہم آہنگی پر مجبور ہو رہے ہیں۔ اور اس ”متحدہ قومیت“

پہلے ہندو ہونا چاہئے اور مجھ کو پہلے مسلمان
لیکن جن امور کا ہندوستان سے تعلق ہے
ہندوستان کی آزادی سے تعلق ہے۔

ہندوستان کی فلاح و بہبود سے تعلق
ہے، میں اول ہندوستانی ہوں، دوم
ہندوستانی ہوں، اور آخر ہندوستانی
ہوں اور ہندوستانی کے سوا کچھ نہیں
(نعرہ تحسین) میں ان مساوی المساحت
دو دائروں سے تعلق رکھتا ہوں۔ جن کے
دو مرکز ہیں۔ ایک ہندوستان دوسرا
دنیا نئے اسلام، الخ (مدینہ)

غرض مذہبی دل و دماغ رکھنے والے رہنمایان قوم
کی نظر میں ”ہندوستانی“ بننے اور ”متحدہ قومیت“ اور
تحریک آزادی میں جدوجہد کا معنی کچھ اور ہے جو بالکل شرعی
اور ہر طرح جائز، بلکہ مذہب کی آزادی کی خاطر ملک کی آزادی
کی کوشش کرنا، اور مشترکہ محاذ میں شامل ہو کر لڑنا نہایت
ضروری، اور کانگرس میں داخل ہو کر ہندوؤں کی اسلام
دشمنیوں اور بے راہ رویوں کی اصلاح کے لئے ہر ہر قدم
پر تنبیہ کرنا مناسب و اولیٰ ہے؟

مجھے تو ایک خطہ کے دفعیہ لئے پیش نظر ایک جملہ
معتزفہ بیان کرنا تھا۔ مگر وہ ایک ”مقالہ معتزفہ“ بن گیا۔
مگر خیر ایک ضروری تنبیہ تھی اس لئے قارئین اس سوال کو
بار خاطر نہ سمجھیں، پھر مقصد کی طرف عود کرتا ہوں ع
دگر اندر گزرتے قصہ زلف پریشاں را (باقی آئندہ)

خط و کتابت

کرتے وقت چٹ نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ عدم
تعمیل معاف (میجر)

ترک موالات کے متعلق اپنا فتویٰ درج کیا ہے۔ اور کفار
و مشرکین یعنی انگریزوں سے ترک موالات پر زور دیا ہے اور
ہندوؤں کی شرکت و اتحاد کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت
شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

”تم اپنی نظر فقط اللہ پر رکھو۔ تمہارا دوست
اور مددگار صرف وہی ہے۔ البتہ جو تم میں تمہارے
اس پاک مقصد میں خود بخود شریک ہو جائیں
یا تمہاری تائید و غم خواری کریں۔ ان سے تم بھی
مصلحت و رواداری کا برتاؤ کرو۔ اور مبرہہ
و انقساط (مروت اور حسن سلوک) سے پیش
آؤ۔۔۔۔۔ اس موقع پر اس قدر تنبیہ ضروری
ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے ان تعلقات
کا اثر یہ نہ ہونا چاہئے کہ مسلمان اپنے کسی
مذہبی حکم کو بدلیں، اور شعائر کفر و شرک
اختیار کرنے لگیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے۔ تو
نیکی برباد گناہ لازم کی مثال اپنے اوپر منطبق
کریں گے“

رئیس الاحرار مولوی محمد علی مرحوم نے گول میز کانفرنس

۱۲ ستمبر ۱۹۳۱ء کو آخری تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا :-

”خدا نے ہرگز کے حکم کے سامنے میں اول مسلمان

ہوں، دوم مسلمان ہوں، اور آخر مسلمان ہوں

اور سوائے مسلمان کے کچھ نہیں ہوں اگر تم مجھ

سے اپنی قوم یا اپنی سلطنت میں اس نظام

اس ضابطہ اخلاق، اور اس شریعت کو چھوڑ

کر شریک ہونے کے لئے کہو گے تو میں اس

کے لئے تیار نہ ہوں گا۔ یہ میرا پہلا فرض ہے

جو اپنے خالق کی جانب سے مجھ پر عائد ہوتا

ہے۔ اور یہی ڈاکٹر مونجے کا خیال ہے۔

اور جہاں تک اس فرض کا تعلق ہے ان کو

وسط ہند اور جنوبی ہند میں جدید فتنہ الحاد و بد دینی کے پاگل خانہ میں ایک دلچسپ اضافہ

(از جناب مولوی محمد یعقوب صاحب ایڈووکیٹ چھانڈنی مہو)

جناب ایڈیٹر صاحب شمس الاسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مزاج گرامی۔ کچھ عرصہ سے وسط ہند مالوہ اور دکن کے بعض حصے بالخصوص ریاست حیدر آباد اور اس کے جنوبی حصے جو لا نگاہ بنے ہوئے ہیں قادیانی تبلیغ و اشاعت کے فرقہ پرستوں کے قادیانی یا لاہوری روپ میں ظاہر ہونے کے بجائے اس نے نیا روپ اختیار کیا ہے۔ جوان کے خیال کے مطابق ہندو اور مسلمان دونوں میں یکساں طور پر مقبول ہو جائے گا۔ محمد صدیق دین دار، چن بسویشور کے نام سے مرزاٹیوں کے پرانے اور کہنہ مشق مبلغ نے ایبٹ آباد جبل سے نکل کر، لاہوری جماعت میں رہنے کے بعد اور پھر اس سے بظاہر علیحدہ ہو کر، اپنی نبوت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر الوہیت کی دکان لگائی ہے۔ دونوں جماعتوں سے ساز باز کر کے اپنے مقصد کو بڑے زوروں سے پیش کر رہا ہے اپنی آمد کے ۶۷ نشانات بتلاتا ہے۔ بارش کو اپنا معجزہ ظاہر کرتا ہے اور مختلف جگہوں سے اپنی صداقت کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے مبلغین سبز عمامہ، کتھائی رنگ کا کرتہ پہنتے ہیں، بعض پاجامہ اور بعض تہمد بھی باندھتے ہیں اور لمبے لمبے بال سر پر رکھتے ہیں۔ تقریروں میں اول اول ہندوؤں پر نہایت ہی نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں تاکہ اس طرح مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر لیں

اور پھر بتدریج مسلمانوں میں اپنے اثرات پھیلاتے ہیں۔ رسول اللہ کی بروزی اور غلط نبوت کا سلسلہ جاری رہنے کے قائل ہیں، قیامت کا مفہوم اور اس کے متعلق ان کا عقیدہ باسیوں اور ہائیوں کا سا ہے، چن جیسا کہ ظاہر ہو گا اپنے ”اللہ“ ہونے کا مدعی ہے۔ قرآن کے دوبارہ نزول کا اعلان کرتا ہے۔ اور آیات کے نئے اور نہایت ذلیل معنی کرتا ہے۔ آریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے مجلس اتحاد المسلمین حیدر آباد کی بنیاد ڈالی تھی مگر اسے بہادر یار جنگ بہادر تھیا بیٹھے اور یہ ہتھ ملتا رہ گیا، فی الحال حیدر آباد میں نظر بند ہے۔

میں نے اس مضمون کو عام فہم بنانے کی کوشش کی ہے اسی لئے اسے انتہائی مستند کر دینے کے باوجود اور دوسرے ماسبق فتنوں کے پس منظر کے ساتھ، نیم مذاہم طرز نگارش میں پیش کیا ہے۔ علمی بحث سے دامن بچایا ہے کیونکہ اس سے قارئین خود اپنے نتائج اخذ نہیں کر سکتے۔ اس مضمون کو بعض نہایت ذی علم حضرات کی فرمائش پر میں نے لکھا ہے، کیونکہ مجھے یقین دلایا گیا ہے کہ میری تقریریں جدوجہد کے علاوہ جو صرف مقامی رہ سکتی ہے، اس قسم کا لٹریچر بہت زیادہ مقبول ہو گا۔

میں اس کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ یہ قلمی جہاد ہے جو ہمیں کرنا چاہئے۔ اس لئے میں نے اپنی تمام مصروفیات

تو واقعی اکابر اسلام کی صفِ اول میں اچھی جگہ لکھے مستحق ہوتے۔ مگر زندگی میں کوئی راہ آسان نہیں ہے۔ جس طرح حکومت پر برسرِ اقتدار ہو جانے کے بعد ظلم کی راہیں کھل سکتی ہیں، یا دولت کے ساتھ غلط برتری کا احساس قائم ہو سکتا ہے یا حسن کے ساتھ پندِ احسن یا غرورِ حسن، یا دُشمنی علم کے ساتھ ذہنی تکبر اور اپنے سوا سب کی جہالت کا یقین، یا شعورِ عقل کے ساتھ ساری دنیا کی حماقت کا پختہ خیال کسی طرح ٹالے نہیں ملتا، بالکل اسی طرح تھوڑی بہت مذہبی پابندی کے ساتھ بجز اپنے اور سب کے دوزخی ہونے کا یقین، اور دُشمنِ ایمان کے غلبہ کے ساتھ الہام، وحی اور اس سے بھی بڑھ کر الوہیت تک کا جھگڑا ساتھ لگ جانا ہے۔ ”دُلف غیب“ کی ستم ظریفیاں، عجیب و غریب وسوسوں کے القا کی شکلوں میں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جذبات و ایقان اور عقل و شعور پر وہم و گمان کا اشتنا شدیدی غلبہ پالیتا ہے کہ پھر چاہے تمام ائمہ مجتہدین یا محدثین یا مفسرینِ حدیث و قرآن سے کسی قسم کی دلیل کیوں نہ پیش کر دیں مگر ایک بھی نہیں جیتی۔ نہ قرآن کی چلنے دیتے ہیں نہ حدیث کا گذر چلتا ہے۔ برخلاف اس کے انکا پیر مرشد ”دُلف غیب“ جس کی شخصیت سے خود یہ بھی واقف نہیں ہوتے ان کے واہمہ کو ایسی ایسی ”مقویات“ ارزانی فرماتا ہے۔ کہ یہ دیوانہ وار بیخ اٹھتے ہیں کہ تمام شجر و حجر، نباتات و جمادات صرف انہی ذاتِ شریف کے وسوسوں کی قوت میں شہادت دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے پھر یہ دلیل بھی پیش کرنا ان کے لئے مشکل نہیں ہوتا۔ کہ جب کائنات کی ہر چیز تو ان کی شان میں قصیدہ خوانی کر رہی ہے تو آیاتِ قرآنی کو کیا ہوا۔ اور احادیث پر کیا گذری جو ان کے منشاء کے خلاف مطلب دینے لگیں۔ ہ۔ بس فوراً یا تو ان پر قرآن کی عطیاں نکلنا فرض ہو جاتا ہے یا قرآن کا دوبارہ نزول ان پر ہونے لگتا ہے، یا صاف

کو اس کی ترتیب پر قربان کر دیا ہے۔ آپ بھی اس میں ہاتھ بٹائیں۔ اللہ اس کا اجر دیگا۔

اگر مضمون مقبول عام ثابت ہو اور جناب اسے رسالہ کی شکل میں لانا پسند فرمائیں تو پہلے مجھے تحریر فرادیں تاکہ میں اس میں مزید اضافہ کر دوں۔ (محمد یعقوب)

وہ بھی کیا صبیح قیامت ہوگی جب غالب نے بھائی اپنے ماحول میں ہزاروں نو دودلوں اور بد نسلوں کو برسرِ اقتدار دیکھ کر یہ کہا ہوگا کہ

بادشاہیت کا جہاں یہ حال ہو غالب تو پھر

کیوں نہ دلی میں ہر اک ناچیز نو ابلی کرے

بات یہ تھی کہ سلطنتِ مغلیہ کی آخری گھڑیاں تھیں،

ہزاروں شرفائے باکمال کو گال بد حال بے روزگار، حفاظتِ

جان و آبرو کی خاطر گناہی کا سہارا ڈھونڈنے پر تلے ہوئے

تھے، اور صدائے تملق شعراء، ظلمت و تاریکی کی پیداوار، نمک

جراثیم، غلط شط، بے بنیاد، بنا دلی اور جھوٹے نسلی اور نسبی

تفاخر کے فرضی سلسلوں کو شہرت کا زینہ بنا کر آسمان نمود

پر چڑھنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، کئی چڑھ گئے،

کئی پھانسیوں کے تختوں پر چڑھے، پکڑے گئے، مارے

گئے، فتنہ و فساد کا زمانہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں

غالب بیردنی دنیا کے حالات سے کیسے باخبرہ سکتے تھے؟ یہی

وجہ ہے کہ باوجودیکہ وہ مرزا علی محمد باب اور بہادر اللہ کے ہم عصر

تھے، انہیں ان کی بابت یا تو بالکل ہی کچھ معلوم نہ ہو سکا، یا

ہوا بھی ہو تو وہ گرد و پیش کے فتنوں کی طرح ان کے وجود کو

بھی شر کی زنجیر کی ایک کڑی سمجھ کر نظر انداز کر گئے ہونگے۔

بہر صورت ان کے مکتوبات اور ان کا کلام اپنے ہم عصر

معتقدین یا مترتبیان، کے ”اضغاثِ احلام“ یا شیطانی

اغوا و الہام کی نمیرنگیوں اور بوالعجبیوں کی بابت بالکل سناکت

ہیں۔ اصل میں یہ دونوں شخص بہت ہی ذہین اور ذی علم

لوگ تھے، اور اپنی اصلیت کو اگر فراموش نہ کر جاتے

ہی پاکستان کی خاک میں تلاش کیجئے، مرزائے قادیان نے دنیا بھر کے پاگل خانوں کو حیرت زدہ کر کے بٹھا دیا۔ اور باوجود اس کے کہ سب مذہبی پگلے مکہ مکرمہ ارشاد ہو، کیا خوب! سبحان اللہ کیا چیز نکالی ہے، کہہ کر داد دیتے رہے، مگر پھر صدائے برخواست، کیونکہ مرزا جی کسی دوسری دنیا کو سدھار چکے تھے اور پگلوں کو اس کا یقین نہ آتا تھا کہ اب مشاعرہ خالی ہو چکا ہے اور اب صرف مرزا کے تابعدار ان مصرعوں کو اٹھا رہے ہیں۔

غالب بے چارہ اک جگہ کہہ گیا تھا :-

اک کھیل ہے اوزنگ سیلماں مرے آگے

اک بات ہے اعجاز مسیحا مرے آگے

تو لوگوں نے اسے شاعرانہ خود ستائی، اور فضول سی بڑ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ مگر یہاں جس مصرعہ تر کو پیش کیا جا رہا تھا وہ شاعرانہ قیود سے بہت آگے نکل چکا تھا مرزا جی نے فرمایا کہ ”میں مریم ہوں، مسیح ابن مریم ہوں، شیل مسیح ہوں، مسیح ابن مریم سے بہتر ہوں“

دنیا دیکھتی رہ گئی کہ کیا ادبار ان ہندوستانی مسلمانوں پر پڑا ہے، بادشاہت چھٹے ہی کیا کیا بنے جا رہے ہیں!! تو اب مرزا جی نے جس دم کر کے جو دماغ پر زور دیا تو اس جبرانی کا جواب عجیب و غریب منطقی دلائل کے ساتھ یہ ملا:-

گو خدا نے براہین کے تیسرے حصہ میں میرا

نام مریم رکھا۔ پھر دوسرے تک صفت ثمریت

میں پرورش پائی اور پردہ میں نشوونما

پاتا رہا۔ پھر جب اس پر دوسرے گزر گئے

تو حبیباً کہ براہین احمدیہ کے حصہ چہارم صفحہ ۲۹

میں درج ہے مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ

میں نفع کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں

کہنے لگتے ہیں کہ ان کا فرمان ناسخ قرآن ہے وغیرہ۔ جب یوں بھی جگہ نہیں ملتی تو گروہ بندی کے لئے نظر کی آوارگی یعنی ”بے پناہ“ وسعت نظر کا ڈنڈا ٹیک کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور استدلال کرنا شروع کر دیتے ہیں ویدوں سے، زند و استاسے، انجیل و زبور سے، توریت و گرنٹھ سے، بلکہ اس سے بھی گذر کر بنجومیوں، رمالوں، جفاروں، شاعروں، فسانہ نویسوں کی تحریروں سے۔ الغرض کسی پہلو چین نہیں لیتے۔ مایوگیائی طرح سے ”ماموس من اللہ“ خولیا ان پر پوری طاقت سے اثر انداز ہو جاتا ہے۔ پھر چاہے ”مراد آباد میں مردہ زندہ“ ہوتا پھرے مگر یہ اپنی وہی دنیا کے سوائے کسی جگہ بھی زندہ نہیں رہتے۔ اگر آپ نے الف لیلہ میں یا اور کسی کتاب میں ابو ان کی خلافت کا قصہ کبھی پڑھا ہے تو آپ ان کی قدر کرنے میں کبھی غلطی نہ کریں گے، اس کو بھی خلافت خولیا ایسے واہیات طریقہ پر ہوا تھا کہ اس نے اپنی ماں کو بھی پچانے سے انکار کر دیا اور اس کی تمام نہاکش کوشش کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو سکی۔ چنانچہ علی محمد باب کو بھی ایسی ہی صورت کا سامن کرنا پڑا تھا۔ اس نے اپنے پیر محترم سے صاف کہہ مارا:-

”چلے جاؤ میں تمہارا بیٹا نہیں ہوں۔۔۔۔۔“

میں تیرا نطفہ نہیں ہوں، میں تو مسیح ہوں

جو کہ بارہ کے پیٹ سے تیرے گھر ظاہر ہوا ہوں

اور تم کو مصلحت وقتی لمحوں رکھ کر باپ بنا لیا تھا

سبحان اللہ!۔۔۔۔۔ باب بنا لیا تھا؟۔۔۔۔۔ اب غور کیجئے

کہ آقا صالح (باب کے باپ) پر اس وقت کیا گزری ہوگی۔

مگر اس غریب کو کیا علم تھا کہ اس ”مصلحت وقتی“ قسم کے

بیٹے کو ”ما توف غیب“ صاحب نے عیسیٰ، موسیٰ، نوح سب

کچھ بنا رکھا تھا اور اس کے سر میں وہ سودا سما چکا تھا جس کا

علاج نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہو سکے۔ اس کو بھی جانے دیجئے، اپنے

سے آگے بڑھ کر وہ بات کہی کہ سارا پاگل خانہ کا مشاعرہ گونج اٹھا۔ کہا ”میں نطفہ خدا ہوں“ خدا کا بیٹا ہوں“ ”خدا کا باپ ہوں“ اور یہ کہ ”میں وہ ہوں جس سے خدا نے بیعت کی“ ۱۷

دیکھا آپ نے ”ہاتف غیب“ صاحب کے کارنامے کس طرح مرزاجی کے وہم و خیال، اور علم و یقین پر قبضہ مخالفانہ جمایا؟ اصل میں جس ”پردہ میں نشوونما“ پائی تھی وہ شیطان کا طعنی پرودہ تھا، جس کے پیچھے سے ”غیرست خطابات“ پڑھ کر کوئی ”پیر نورانی“ قسم کا موہم شخص سناتا ہوا دکھائی دیتا تھا، اور آیات قرآنی کا عجیب و غریب مطلب سکھا پڑھا کر بندہ بچانے لگتا تھا، اور مولوی صاحبان بندہ بازی سے بیزاری کا ”اعلان واجب الاذعان“ فرمانے میں رات دن مصروف رہتے تھے، کہیں تقریر کے زور سے اور کہیں تحریر کے زور سے، نہ کرتے تو اور مشکل تھی کیونکہ اس حرام میں سب ننگے ہی تھے، اور کسی کو برہنگی کا ہوش تک نہ تھا، علی اعتبار سے دیکھا جائے تو مرزاجی کی ہفیات سب مسروقہ تھیں ان کی ذاتی حدت کسی جگہ بھی ظاہر نہیں ہوئی۔

آدم، ونات مسیح، رنج مسیح، (یعنی حضرت عیسیٰ کا آسمان پر اٹھایا جانا) معجزات مسیح، روح القدس وجود ملائکہ، تعذیبی طور پر شکلوں کا مسخ ہو جانا، معراج بریل وغیرہ پر ان کے تمام خیالات سرسید احمد خاں کی تفسیر قرآن سے ماخوذ ہیں۔ خیالات و آرا ہی ماخوذ نہیں بلکہ دلائل بھی وہیں سے لی گئی ہیں اور یہ جوہری آج تک ان کے نام لیا اور تابعدار اسی بے حیائی کے ساتھ کرتے چلے جا رہے ہیں لطیف یہ کہ دائیں بائیں کسی سے اس کا ذکر تک نہیں آنے دیتے کہ

مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینہ کے بعد جو دس مہینہ سے زیادہ نہیں پڑے وہیں الہام کے جو سب سے آخر براہین کے ۱۵

میں درج ہے مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا۔ پس اس طور سے میں عیسیٰ بن مریم ٹھہرا“ ۱۷ اب کہئے!... اب کہئے! ہمارے ماں کے علاوہ چار لاکھی گھماتے پھر رہے ہیں اور یہاں یہ حال ہے کہ ہر مار کے ساتھ تہقہ بلند ہوتا ہے اور مار کا ہر نشان ”اعجاز“ کا نشان سمجھا جاتا ہے، نظیر اکبر آبادی نے بھی لکھنے کو سری رشن جی کی بابت لکھا ہے:-

ظاہر میں سب وہ نند جسودہ کے لال تھے ورنہ وہ آپ مائی تھے اور آپ ہی باپ تھے پردے میں بالین کے یہ ان کے ملاپ تھے جوتی سرور کہئے جنہیں سو وہ آپ تھے مگر ان سے بھی وہ بات نہ بن سکی جو براہین کی مجملات میں موجود ہے۔ بنتی کیسے؟ ”دو برس تک مریم“ رہے اور ”پردہ میں نشوونما پائی“ پھر ”استعارہ کے رنگ میں“ حاملہ ہو گئے، اور دس مہینہ سے کچھ پہلے عیسیٰ بن کر تولد ہوئے! جو شش صاحب بیچ آبادی اور نیاز صاحب فتحپوری ذرا ہمیں بتلائیں تو کہیہ ”ادب لطیف“ صحیح ہے یا وہ جو خلقت کے سامنے پیش کر کے روسیہ ہو رہے ہیں؟ اور کیا ہو گیا تھا بڑا پے میں جناب مولانا ثناء اللہ صاحب کو اور دیگر علماء کو جو ”حاملہ آدمیوں“ کے درپے آزار ہوتے رہے اور ان کے درد زہ سے لے کر وضع حمل تک ہر بار کچھ نہ کچھ قصہ سامنے لاتے ہی رہے۔ حالانکہ مرزاجی کا یہ رنگ بطور ”استعارہ“ رہا اور سوائے ذہانی باتوں کے کوئی بات ہی نہ تھی۔ اس پر بھی مرزاجی کا جی نہیں بھرا۔ عیسیٰ اور مریم سینے کے بعد بھی چپ ہو جاتے تو لوگ ان کی لطیفہ گوئی کو طرح دے جاتے کچھ ہنس ہنسا کے چپ ہو جاتے مگر اس

کرنے کا یقین وغیرہ، بہت سے قلم کاٹ کاٹ کر اپنے باغ میں لگائے ہیں، اسی طرح بہائیت فرقہ کے خوانِ نعمت سے بھی بہت سی شیخیاں، بڑائیاں، لون ترانیاں لی ہیں۔ اور اپنے آپ کو بہاء اللہ کی طرح فارسی الاصل کہا ہے تاکہ کسی طرح حضورؐ کی پیشین گوئیوں میں اپنے آپ کو فٹ کر سکیں اور لوگ انہیں ”حادث“ سمجھ کر ایمان لائیں، ہرزہ بین کی طرح رنگ بدلا ہے تاکہ شکار ہاتھ آئے۔ عنقریب واضح ہو جائے گا۔ کہ یہ رنگ کج تنگ بدلا جا رہا ہے اور یہ ”ابوالہی“ ذریت نئے نئے روپ بدل کر شیطان کے طلسمی پردہ سے باہر ظاہر ہو رہی ہے۔ اور ایسی جگہ ظاہر ہو رہی ہے، جہاں اگر توجہ نہ کی گئی تو خدا کے ”سادہ لوح بندے“ درویشانہ عیار کے گردابِ بلا میں پھنس کر مر جائیں گے۔

(باقی آئندہ)

سر سید کے وہ کسی حد تک احسان مند ہیں۔ مگر آپ نے دیکھا سر سید کا ظرف۔ انہوں نے مرتے دم تک کوئی دعویٰ نہیں کیا یہ صرف ان کے ”خوانِ کرم“ کی ریزہ چینی کرنے والوں کے ہی نصیب میں تھا کہ ”لفظہ خدا“ بنکر ”حاملہ“ ٹھہرتے اور پھر خدا کے بھی ”باپ“ اور پیر مرشد بن جاتے اسی طرح مہدویہ فرقہ کی کتابوں سے پچاسوں باتیں اخذ کیں، مثلاً نبی متبع کا آنا، امام حسینؑ سے خود کو افضل قرار دینا، مہدی موعود بننا، مہدی موعود اور رسول اللہ میں فرق کا نہ ہونا، خلاف منشاء و احادیث کو ٹھکرا دینا، رسول کریمؐ کے سوا تمام انبیاء سے افضل ہونے کا دعوے کرنا، انبیاء کا ان کے دیدار کی خواہش کرنا۔ وغیرہ

فرقہ بابیہ سے بھی بہت سی تعلیمات سرقہ کی ہیں اور بروزی نبوت محمدی کا عقیدہ (یعنی رسول کریمؐ کا بار بار مختلف روپ میں دنیا کی ہدایت کے لئے تشریف لانا، غیر عقیدہ والے شخص کے کفر پر ایمان رکھنا، نبوت رسول کریمؐ کو مکمل

منقول

مرکز اسلام، حرم پاک!

طرح ایک حکومت کے سلطان یا رئیس و امیر ہیں جس طرح ایران کے بادشاہ، یا مصر کے سلطان یا مین کے امیر، یا ترکی کے رئیس جمہوریہ عصمت انونو، بلاشبہ ہم ہندوستانی مسلمانوں کو ایران، ترکی، اور مصر کے اندرونی معاملات میں دخل دینے یا رائے زنی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، اس لئے کہ ان ملکوں کے باشندوں کو پورا حق حاصل ہے کہ اپنے رجحان اور فوری دور رس مفاد و دل کے مطابق اپنے لئے کوئی راہ عمل اختیار کریں۔

مرکز اسلام، اور ملت اسلامیہ کا ذہنی و قلبی محور مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا ہے، جو ہمارا حرم پاک ہے، حرم پاک کی سیادت خواہ جس شخص کے ہاتھ میں ہو، اس کا فرض ہے کہ وہ تمام عالم کے مسلمانوں کی طرف سے ”حرم پاک“ کا امین اپنے آپ کو سمجھے، اور تمام عالم کے بسنے والے مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ رکھے، یقیناً حرم پاک کی سیادت و ریاست ایک بہت ہی بڑی ذمہ داری ہے، لہذا سلطان ابن سعود کے متعلق ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ بھی اسی

تک لانے کے لئے کون سا راستہ اختیار کیا جائے گا۔ اور اس کی حفاظت کے لئے کن کن قسموں کے استحکامات کئے جائیں گے۔ اور ان استحکامات کے ذیل میں سرزمین پاک کے اندر کیا چیزیں داخل ہونے والی ہیں۔ جن لوگوں کو اللہ نے فہم و فراست دی ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس قسم کے عظیم الشان پلان کے بروئے کار لانے کے معنی کیا ہو سکتے ہیں۔

ہم سلطان ابن سعود اور ان کی حکومت کے دشمن نہیں ہیں، بلکہ ان کے خیر خواہ ہیں، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ حجاز و نجد کے علاقے زر خیز نہیں، اور وہاں کی حکومت کے ذرائع آمدنی بہت محدود ہیں، تاہم ہمارا دل و دماغ، ارض پاک عرب میں اغیار و اجانب کے کسی قسم کے اثر و نفوذ کا تصور تک کرنے سے بیزار ہیں۔ خواہ اس سے وہاں کی حکومت کی آمدنی کتنی ہی زیادہ ہو جائے۔ سلطان ابن سعود جیسے فہیم فرمانروا کو ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جس سے لوگوں کو یہ سمجھنے یا کہنے کا موقع مل سکے کہ روپیہ کے لالچ میں انہوں نے ارض پاک میں اغیار و اجانب کے اثر و نفوذ کی بنیاد ڈال دی۔

وقت ہے کہ مسلمان ہند اس معاملہ میں اپنے جذبات سے سلطان ابن سعود کو آگاہ کر دیں۔ ہمارے خیال میں اس مقصد خاص کے لئے آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ایک خاص اجلاس منعقد کرنے کی از حد ضرورت ہے جس کے لئے کلکتہ سب سے زیادہ مناسب مقام ہوگا۔
(عصر جدید)

حقیقت مرزا میت - مولفہ مولوی عبدالکریم صاحب
مباہکہ سابق مبلغ مرزا میت
مرزا می چالبا زویل کو پشت از بام کر نیوال کتاب۔ ۸۰ رطلہ مجھوں
پیرزادہ محمد بہاء الحق قاسمی۔ گلوالی دروازہ امرت سر

لیکن جہاں تک "حرم پاک" اور قیدہ اول اسلام یعنی فلسطین کے محور بیت المقدس کا تعلق ہے ہم مسلمانوں کو بھی ان کی اندرونی عام پالیسی کے متعلق گفتگو کرنے اور رائے دینے کا حق ہے۔ حق ہی نہیں بلکہ ہمارا فرض ہے کہ ان مقامات مقدسہ کے سلسلہ میں اگر کوئی والی سلطان یا رئیس کوئی ایسی حرکت کرے یا کوئی ایسا قدم اٹھائے یا ایسی حکمت عملی اختیار کرے، جو ظاہراً حرم پاک اور قبلہ اول کی حرمت اور اسلام کی مرکزیت کی شان کے خلاف ہے تو ہم اس حرکت، اقدام، اور حکمت عملی کے خلاف پوری طاقت سے آواز بلند کریں، اور اگر ضرورت ہو تو اپنی جائز کوشاں کر دینے سے دریغ نہ کریں، خواہ یہ چیز ہمارے ذریعہ اور ضروری قومی مصالح کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی اس پوزیشن کے واضح کر دینے کی اس وقت سخت ضرورت ہے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان اخبار نویسوں نے عربی بساط سیاست کی مہرہ بازیوں کے متعلق ناقدانہ اقدام شروع کر دیا ہے۔

ہمیں سلطان ابن سعود کی ذاتی صلاحیتوں اور ان کے زہد و ورع سے کوئی بحث نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے عقیدہ و عمل کے لحاظ سے ولی کامل ہوں، لیکن امریکن کمپنیوں کے جن ارادوں کا اظہار امریکہ کے ذمہ دار حضرات نے کیا ہے وہ ہر مسلمان کے لئے خواہ وہ کسی جگہ کارہنہ والا ہو، یقیناً اضطراب خیز ہے، اگر حکومت سعودیہ نے اپنی پہلی غلطی کے بعد ایک دوسری غلطی کا ارتکاب کیا تو یہ عالم اسلام کے قلب پر ایک ایسی چوٹ ہوگی، جس سے ممکن ہے کوئی ایسا اضطراب پیدا ہو جو ابھی دوسروں کی نظروں سے پوشیدہ ہو۔

تیل کے معاملہ میں جس بیجان خیر اسکیم کا اعلان امریکہ سے کیا گیا ہے ابھی اس کی تفصیلات آنا باقی ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ تیل کے لائن کو بکھر متوسط